© rasailojaraid.com

حافظ عبدالرشید ارشد (لاہور)

واردات و مشاہدات

حضرت مولانا سید عطاء المنعم بخاری، حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے امیر شریعت بڑے ذکی اور مردم شناس تھے ان کی اپنی زندگی تو ریل اور جیل میں کٹی۔ اپنے بیٹے کی ذہانت و ذکاوت کو دیکھتے ہوئے دینی تعلیم کے لئے خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کے مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر میں داخل کرایا۔ قرآن مجید غالباً امرتسر میں حفظ کرلیا تھا۔ اس کی تفصیل ان کے اپنے جاری کردہ "الاحرار" اور چھوٹے بھائی مولانا سید عطاء المحسن بخاری سلمہ اللہ تعالیٰ کے ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" میں آئے گی۔ راقم کو تو اپنی یادداشتیں اور مشاہدات قارئین کے سامنے پیش کرنا ہیں......

اب یہ کہنا اور بتانا مشکل ہے کہ احقر نے سب سے پہلے حضرت ابوذر بخاری (مرحوم اپنا نام زیادہ یہی لکھا کرتے تھے) کو کہاں دیکھا تھا۔ میں انتہائی کتب کے لئے ایک دفعہ ۱۹۴۹ء میں مدرسہ عربی خیر المدارس میں داخل ہوا پھر درمیان میں ہی میاں چنوں اپنے گھر آکر حضرت مولانا محمد ابراہیم جگرانوی اور حضرت مولانا محمد عبداللہ دھرمکوٹی سے پڑھنے لگا۔ یہی وہ سال تھا کہ جب بھی مجھے موقعہ ملتا میں امیر شریعت کے در دولت پر حاضری دیتا۔ ظاہر ہے کہ انہی دنوں آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہوگا۔ مرحوم کبھی کبھار اپنی مادر علمی خیر المدارس میں حاضری دیتے۔ کپڑے کی اونچی باڑ کی ٹوپی، شرعی شلوار کرتہ اور رنگ روپ سبحان اللہ.........مثالی مردانہ وجاہت کے حامل تھے۔ موٹی شربتی آنکھیں، کشادہ پیشانی، ستواں ناک، رخسار سرخ و سپید اور پُر گوشت۔ میانہ قد، مائل بہ فربھی بلکہ فربہ ہی کہیے۔ دیکھتے طبعیت سیر نہ ہوتی تھی۔ ان دنوں کسی مجلس میں ان کی گفتگو سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ دور ہی سے درشن ہوتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی اپنے اساتذہ کے پاس بہت مؤدب بیٹھے دیکھا کہ جس کو دیکھ کر پہلے دور کے استاد شاگرد کے رشتے کا احساس ہوتا تھا۔ چلتے ہوئے نگاہ سامنے نیچی رکھتے۔ بس اس کے علاوہ اور کوئی خاص یادداشت ایسی نہیں جو لکھی جاسکے۔ دورہ حدیث شریف ملتان میں آکر مکمل کیا۔ استاذی حضرت مولانا محمد صدیق (شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس) آپ کے دورہ کے ساتھی ہیں۔

مرحوم نے تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد "نادیۃ الادب الاسلامی" کی بنیاد رکھی۔ جس کے سرپرست علامہ طالوت (مولانا عبدالرشید نسیم) تھے۔ جنہوں نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور علامہ اقبال کے درمیان واسطہ بن کر "نظریہ قومیت" پر خط و کتابت کرائی تھی۔ یہیں ان کے متعلق یہ ذکر کر دیا جائے کہ علامہ طالوت بہت بڑی علمی ادبی شخصیت تھے۔ ان کی بعض نظمیں مولانا ظفر علی خان کے رنگ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"زمیندار" میں قلمی نام سے شائع ہوئیں جو بعد میں مولانا ظفر علی خان کے مجموعہ کلام میں شائع ہو گئیں۔ لیکن مرحوم قلندرانہ طبعیت کے مالک تھے، ان کی نشاندہی نہیں کی۔ حضرت امیر شریعت سے بہت ربط ضبط تھا۔ حضرت شاہ صاحب کے مجموعۂ کلام "سواطع الالہام" کے شروع میں ان کا ایک بہت علمی مضمون ہے جس سے ان کی علمی وجاہت و ثقاہت کا پتہ چلتا ہے۔ میں نے جیس بڑے مسلمان میں حضرت شاہ صاحب پر مضمون لکھنے کی انہی سے درخواست کی تھی۔ آپ اس کو لکھ رہے تھے کہ مجھے حرمین کی حاضری کا بلاوا آگیا اور مجھے وہیں ان کی وفات کی اطلاع ملی۔ اگر وہ زندہ رہتے اور ان کا مضمون شامل کتاب ہوتا تو بہت وقیع ہوتا لیکن اللہ کو منظور نہیں تھا۔ آپ کی ایک حمد یہ غزل جو انہوں نے میرے مجوزہ ماہنامہ "عمران" میاں چنوں کے لیے لکھی تھی چندہ ماہ قبل "الرشید" میں قارئین نے مطالعہ کی ہو گی اور گزشتہ ایک شمارے میں ان کی ایک نعت بھی شائع ہوئی ہے۔ ان کی تاریخی حیثیت اس حوالے سے ہمیشہ رہے گی کہ انہوں نے برصغیر کے دو عبقری انسانوں کے درمیان واسطہ بن کر خط و کتابت کی اور بڑھتے ہوئے معاملے کو سنبھالا دیا۔ لو، یار لوگ اس کو گاہے ہوا دیتے رہتے ہیں، جملہ معترضہ طویل ہو گیا۔ "نادیۃ الادب الاسلامی" کے علامہ طالوت مرحوم سرپرست تھے اور ہمارے ممدوح مرحوم مولانا سید ابوذر بخاری اس کے بانی تھے اور یہ وہ دور ہے کہ جب بڑے بڑے دانش ور ابھی منقار زیر پر تھے لیکن اس نوجوان نے کام کا آغاز کر دیا تھا۔ اس مجلس کے زیر اہتمام کئی ایک کتابچے شائع ہوئے اور اس کے ساتھ ہی اس نوجوان نے جو درس نظامی سے فارغ ہوا تھا، ملتان سے "سہ ماہی مستقبل" شائع کرنا شروع کیا۔ جن لوگوں نے پاکستان بنایا تھا وہ اقتدار کی جنگ میں مصروف تھے اور جس کے والد مرحوم نے پاکستان سے نظریاتی اختلاف کیا تھا وہ پاکستان کے مستقبل کے لئے کام کا بیڑا اٹھا رہا تھا۔ سی آئی ڈی کے کاغذات میں تو اب بھی شاید مجلس احرار اسلام اور اس کا نام لینے والوں کا نام بلیک لسٹ میں ہو گا۔ ان دنوں تو پاکستان نیا نیا بنا تھا اور احرار اسلام کا نام لینا اپنے آپ کو گردن زدنی قرار دینا تھا۔ تو پھر بانیٔ احرار کے بیٹے کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ملتان ایک ماہ نامے کا ڈیکلریشن کیوں دیتا۔ حضرت امیر شریعت کراچی تشریف لے گئے۔ سید عطاء المنعم بھی ساتھ تھے اور مولانا مجاہد الحسینی بھی، کہ بیٹے نے والد سے کہا کہ سردار عبدالرب نشتر وزیر اطلاعات و نشریات ہیں۔ ان سے کہیئے کہ مجھے یہ ڈیکلریشن مل جائے۔ حاجی مولا بخش سومرو کے گھر قیام تھا........ سومرو صاحب نے بھی کہا تو حضرت امیر شریعت آمادہ ہو گئے اور یوں کار میں بیٹھ کر کراچی کے سیکرٹریٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت امیر شریعت نے سردار صاحب کے نام اپنے نام کی چٹ بھیجی تو سردار صاحب پاؤں سے ننگے سر پر پگڑی رکھے فوراً باہر آئے اور مصافحہ، معانقہ کے بعد عرض کیا کہ مجھے چٹ بھیج کر اقامت گاہ پر بلا لیا ہوتا تو امیر شریعت نے فرمایا کہ میں تو نہ آتا لیکن تمہارے بھتیجے کا اصرار تھا۔ حاجی صاحب نے بھی کہا کہ جانے اور کہنے میں کیا حرج ہے؟ اس پر سردار صاحب نے کہا کہ میں صوبائی حکومت یا متعلقہ دفتر کو کہہ دوں گا ان شاء اللہ کام ہو جائے گا۔ سردار نشتر مسلم لیگ کے ان سربرآوردہ زعماء سے تھے جو اپنی خاندانی شرافت و نجابت اور ادبی ذوق کے لحاظ سے بہت نمایاں تھے۔ عبوری حکومت میں انڈیا میں مسلم لیگ کی جانب سے وزیر رہے۔ قیام پاکستان کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پنجاب کے انگریز گورنر کے بعد پنجاب کے پہلے مسلمان گورنر تھے اور مسلمانوں کے سابق حکمرانوں کی طرح وضعدار اور دیانتدار۔ آپ کے لڑکے سائیکل پر سکول جایا کرتے اور سردار صاحب تقریباً باقاعدہ نیلا گنبد کی مسجد میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ کے ہاں جمعہ پڑھنے آتے لیکن بغیر کسی کرّو فر اور سرکاری پروٹوکول کے۔ آپ کا انتقال شب جمعہ کو ہوا۔ اس جمعہ یا اگلے جمعہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے جمعہ کی تقریر میں فرمایا کہ ان ان اوقات میں مرنے والوں کا بمصداق حدیث شریف، حساب کتاب نہیں ہوگا اور پھر اس کی مختلف توجیہات بیان فرمائیں اور آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شب جمعہ کو وفات ہی اس مسلمان کو دیتا ہے کہ جس کی کسی خوبی کی وجہ سے حساب کتاب لینا منظور نہ ہو اور پھر اپنا ایک قصہ سنایا کہ میں جب دارالعلوم دیوبند میں طالب علم تھا تو شہرت ہوئی کہ ایک سن رسیدہ عورت مرض الموت میں ایک شعر پڑھ رہی ہے میں بھی اسے دیکھنے چلا گیا دیکھا اور سنا تو وہ یہ شعر پڑھ رہی تھی۔:-

خالی ہاتھ میں چلی دربار میں
کون پوچھے گا مجھے سرکار میں

میں نے یہ شعر سن کر پہلے مصرعہ کو نظر انداز کرتے ہوئے دوسرے کو محمل بناتے ہوئے کہا کہ اس کا شب جمعہ کو انتقال ہوگا تو صاحبو اس مستورہ کا انتقال شب جمعہ کو ہوا۔ میں نے اس کے دوسرے مصرعے سے تفاؤل لیا تھا اور اس حدیث شریف پر میری نظر گئی تھی۔ تو ہمیں اپنے اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ سردار صاحب کی موت شب جمعہ کو ہونے کے سبب ان کا قبر میں حساب کتاب نہیں ہوگا اور سردار مرحوم کے متعلق ویسے بھی مشہور ہے کہ نیک اور پابند صوم و صلوٰۃ تھے...... میں میاں چنوں سے اگر لاہور آتا تو جمعہ شیرانوالہ گیٹ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے یا پھر نیلا گنبد میں پڑھتا تھا۔ ان دنوں جمعہ کی چھٹی نہیں ہوتی تھی۔ لاہور کھلا ہوتا تھا اور چھوٹے شہروں کے لوگ عام طور پر جمعہ کو مال لینے آتے تھے کہ چھوٹے شہروں میں جمعہ کو چھٹی ہوتی تھی........ گزشتہ دنوں میں ایک کتاب سکندر مرزا کے متعلق پڑھ رہا تھا اس میں ان کے متعلق لکھا تھا کہ سکندر مرزا کے بقول "سردار اورنگزیب اب میرے ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔ اس نے مجھ سے وزارت سازی کے متعلق امداد کی درخواست کی تھی۔ میری نظر سردار عبدالرب نشتر پر تھی وہ ایک انتہا پسند مسلم تنظیم احرار کے راہنما تھے۔ احراری مسلم لیگ کے سخت مخالف تھے اور بوجوہ کانگریس کے حلیف تھے۔ نشتر مسٹر جناح کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے گزشتہ سال ہی مسجد مہابت خاں میں ان کے خلاف ایک تند و تیز اور توہین آمیز تقریر کی تھی" (سکندر مرزا، احمد سلیم صفحہ ۶۹)

جب مسلم لیگ میں جنگ اقتدار اور زور پکڑ گئی تو کچھ دیر کے لئے سردار عبدالرب نشتر کو مسلم لیگ کا صدر بنایا گیا تھا تو اس لحاظ سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مجلس احرار اسلام کا ایک سابق سرحدی رکن ۱۹۴۲ء میں مسلم لیگ کی جانب سے بحیثیت مسلم لیگی وزیر، قیام پاکستان کے بعد مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات، پنجاب کا گورنر اور آل پاکستان مسلم لیگ کا صدر بھی بن گیا تھا۔ تو اس طرح اگر شاہ صاحب نے سردار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبدالرب نشتر سے ایک سفارش کی تو اپنے سابقہ احرار رضاکار سے سفارش کی۔

پاکستان میں مزدور کے متعلق بہت شور اور واویلا کیا جاتا ہے کہ غربت اور افلاس زیادہ ہے۔ پاکستان کے مالدار ارب پتی سیاستدان ان غریبوں کا استحصال کر کے اپنی لیڈری چمکاتے آئے ہیں۔ جبکہ ان کو گرانی یا سٹیٹ بنک کے زرمبادلہ میں کمی اور غیر ملکی قرضوں سے نہ کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ ہی ان کے دھن دولت میں کوئی کمی ہوتی ہے۔ اور لوگ ہیں کہ ان کو بیساکھیوں کا کام دیتے ہیں۔ اسی نئی صورت حال میں دیکھئے مہنگائی اور گرانی کا سب سے زیادہ شور سرمایہ دار، پیران کرام، وہ علمائے کرام اور تاجر شور مچا رہے ہیں جن کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں ہے۔ ان پجارو اور ہوائی جہازوں میں سفر کرنے والوں کو کہ جن کی کوٹھیاں، دربار، ڈیرے، ایکڑوں میں ہیں کوئی تکلیف نہیں۔ اگر تکلیف ہے تو اپنی قیمتی موٹروں میں سفر چھوڑ کر ویگنوں بسوں یا ریل گاڑی کے نچلے درجے میں سفر کریں تا کہ پتہ چلے کہ غریب عوام کس بھاؤ تلتے ہیں۔ میں آج ہی ایک دوست سے کہہ رہا تھا کہ تمام تاجروں کا سٹاک گوداموں میں پڑا پڑا سو گنا ہو گیا اور اکثر لیڈروں کا بنک بیلنس یا تو اپنے ہی ملک میں ڈالروں میں ہے یا پھر غیر ملکوں میں ان کے اکاؤنٹ ہیں جواز خود بڑھ گئے۔ سوال تو غریب کا ہے...... میرا موضوع سخن غریب کی طرف اس طرح چلا گیا کہ میں جن افراد یا جماعت کا ذکر کر رہا ہوں یہ برصغیر کی سب سے غریب جماعت تھی، جس کو آج کے سیاست کے اجارہ داروں کے بڑوں نے پنجاب میں آگے نہیں آنے دیا ورنہ ایک زمانہ آ گیا تھا کہ اس جماعت کی پنجاب میں وزارت بن جاتی گو عام بالغ حضرات کا ووٹ نہ تھا۔ ان پر مسجد شہید گنج گرا دی گئی اور شہید گنج کے ملبے کے نیچے یہ لوگ اس طرح دب گئے کہ پھر اوپر نہ اٹھ سکے۔ سر فضل حسین نے شہید گنج گرنے یا گرانے کے بعد کہا تھا کہ میں نے احرار کے لئے ایسا گڑھا کھودا ہے کہ جس سے وہ قیامت تک نہیں نکل سکتے لیکن اللہ کا اپنا بیان ایک قانون ہے۔ اسی شہید گنج کے واقعے سے آغا شورش کاشمیری کو احرار میں لاملایا جو قیام پاکستان سے قبل اور بعد جب تک زندہ رہا حکمرانوں پر کابوس بن کر سوار رہا اور احرار آج بھی زندہ ہیں اور ان شاء اللہ زندہ رہیں گے...... ہمارے ممدوح ابوذر بخاری نے ملتان ہی سے "مزدور" کے نام سے ایک سہ روزہ اخبار جاری کیا جو اگرچہ زیادہ دیر جاری نہ رہا لیکن نوجوان نے بتا دیا کہ ملک میں مزدور کے حامی اگر کوئی ہیں تو وہ احرار ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا بیٹا ہے جو "مزدور" اخبار نکال کر مزدور کی نمائندگی اور ترجمانی کرتا ہے..... سرمایہ نہ ہو، وسائل نہ ہوں، اشتہارات نہ ہوں اور بڑی بات یہ ہے کہ خود عوام اور غریب ہی اپنے حامیوں کے طرفدار نہ ہوں بلکہ جاگیردار کے نعروں میں آ جائیں جو اپنی سیاست چمکانے کے لئے روپے کے بل بوتے پر لگائیں تو ایسا اخبار کتنی دیر چل سکتا ہے اور بمصداق........ع

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

"مزدور" توانا اور پھول بننے سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ لیکن "مستقبل" "مزدور" اور نادیۃ الادب الاسلامی سے بخاری سید زادے کے جوانی کے ارادوں اور امنگوں کا پتہ چلتا ہے۔ ترقی پسند ادب، ادب برائے ادب،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادب برائے زندگی یا اسلامی ادب بہت بعد کے نعرے ہیں اس سید زادے نے اپنی زندگی کی ابتداء ہی میں مستقبل، مزدور اور نادیۃ الادب الاسلامی سے کی۔

اور آغاز ہی سے مرحوم نے اردو کی عبارت لکھنے اور چھپوانے میں ایک خاص ذوق اور مزاج کو سامنے رکھا کہ عربی اور فارسی کے جو الفاظ اردو میں آتے ہیں اُن پر "اعراب" زیر زبر پیش شد مد سکون کی علامت دی جائے کہ عام پڑھنے والے عربی اور اردو سے خاصے دور جا رہے ہیں (اور اب تو بہت دور جا چکے ہیں) چند دن قبل ایک تقریب میں ایک صاحب "بدرجہ اَتَم" کو بدرجہ اُتم کہہ رہے تھے۔ حالانکہ خاصے پڑھے لکھے ہیں۔ تو مرحوم نے اس طرز نگارش کی ابتداء کی تاکہ ہر کوئی الفاظ کو صحیح پڑھ سکے۔ مثلاً مہتمم کو اس طرح لکھتے تھے اور ایسے بہیمیت کو زیر زبر سے واضح کر دیتے تھے۔ حُسام الدین لکھیں گے تو ح پر ضمہ یعنی پیش ضرور ڈالیں گے۔ افق عالم "کو اُفُق عالَم" "مہیب کو مُہیب" علیٰ ھذا القیاس اور دوسرے یہ کہ عربی میں جہاں کہیں تا (اردو میں ت) استعمال ہوتی ہے وہ گول "ۃ" استعمال ہوتی ہے۔ جبکہ اردو میں "ت" جیسے "جماعت" اور "رحمت" استعمال کرتے ہیں لیکن ابوذر بخاری مرحوم "جماعۃ" اور "رحمۃ" لکھتے اور چھپواتے تھے۔ ہاں اگر فارسی کا لفظ ہے تو وہاں اردو والی "ت" استعمال کرتے تھے۔ مثلاً راست اقدام دست خط لیکن یہ چلن ان کے اپنے اشاعتی کاموں میں رہا۔ کسی اور نے اس کو رواج دینے یا اختیار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ اب خواجہ عابد نظامی صاحب نے خواجہ حسن نظامی مرحوم کا قرآن مجید مترجم شائع کیا ہے اس میں اس کا اہتمام کیا ہے۔ لیکن انہوں نے یہ کیا کہ ترجمے کے ہر لفظ پر اعراب ڈال دیے جو بہت عجیب لگتے ہیں۔ موصوف اگر رنج نہ فرمائیں تو یہ بھی ہے کہ یہ اعراب کسی مبتدی خوشنویس سے ڈلوائے کہ جن کی وجہ سے ایک اچھا کام بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ یہیں ایک بات عرض کرتا چلوں اگر ہمارے ملک کے ارباب حل و عقد ابتدا ہی سے پاکستان میں عربی زبان کو لازمی قرار دے دیتے۔ تو آج پورے ملک کی زبان عربی ہوتی اور ہم عرب برادری میں شامل ہوتے اور ہمارے فرقہ وارانہ مسائل کسی حد تک حل ہو چکے ہوتے کہ عوام جب اسلام کے اصل ماخذ کتاب اللہ، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے تو علماء حضرات کی دراز دستیوں سے محفوظ ہو جاتے...... بہر حال یہ دو ایک باتیں ضمناً آ گئیں۔ حضرت ابوذر بخاری تلفظ کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ چند سال قبل مجھے عبدالعزیز خالد زید لطفہم نے بھی یہ کہا کہ تم ناشر ہو جو کتابیں شائع کرو انہیں اعراب سے مزین کیا کرو تاکہ عوام کو صحیح تلفظ کا پتہ چل سکے اور میں کئی دفعہ اس کو کرنے کا اہتمام وداعیہ کرنے کے باوجود نہ کر سکا اور یہ بھاری پتھر نہ اٹھا سکا۔ لیکن یہ بہت ضروری ہے۔ خدا کرے کہ یہ تحریک عام ہو کہ ہمارے نوجوان جو "علماء" کے انگریزی تلفظ پر ہنستے ہیں وہ خود عربی اور فارسی الفاظ کا درست تلفظ کر سکیں۔

حضرت مولانا سید ابوذر بخاری (جنہیں رحمہ اللہ لکھتے قلم کانپتا اور دل لرزتا ہے) ملک کے معدودے ان چند افراد سے تھے کہ جن کے علم کی گہرائی، گیرائی اتنی تھی کہ جس پر بجا طور پر کوئی قوم یا ملت ناز کر سکتی ہے۔ دین و دانش، فلسفہ و منطق، عروض و قوافی، نحو و صرف، عربی و فارسی اور علم و ادب پر اتنا گہرا عبور تھا کہ جو ان سے مل کر کسی بھی مسئلے پر کچھ دریافت کرتا تو اس کے سامنے ایک دبستان کھل جاتا۔ کسی بھی عنوان و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موضوع پر ان کا دماغ بند نہ تھا۔ لیکن افسوس کہ ان کی اس ذہانت و فطانت سے زمانہ کام نہ لے سکا۔ اب صحیح سن یاد نہیں۔ انیس سو پچاس کے لگ بھگ کی بات ہے کہ عام خاص باغ ملتان کے ایک رات کے جلسے کی نشست میں انہوں نے حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک کے موضوع پر تقریباً تین گھنٹے خطاب کیا۔ (ان دنوں مدرسہ عربی خیر المدارس) اب جامعہ خیر المدارس کے جلسے اسی باغ میں ہوا کرتے تھے) لیکن یہ جلسہ نادیۃ الادب الاسلامی کے زیرِ اہتمام ہوا تھا اور مولانا مجاہد الحسینی اس جلسہ کے سٹیج سیکرٹری تھے۔ تقریر کیا تھی علم و ادب اور خطابت کا ایک ایسا بحر ذخار تھا کہ جس کو سن کر ان کے عظیم والد امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ برصغیر کے سب سے بڑے خطیب، محاورے کی زبان میں انگشت بدنداں تھے اور اپنے نوجوان بیٹے کی اس علمی حیثیت و وجاہت کو دیکھ کر، سن کر خوشگوار حیرت میں مبتلا تھے۔ میں پوری تقریر میں باپ بیٹے کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ چونکہ یہ تقریر بیٹے کی تھی لہذا باپ کے چہرے کی تمتماہٹ دیکھنے کے قابل تھی۔ اگر یہ تقریر ان کے فرزند دلبند کی نہ ہوتی تو حضرت شاہ صاحب تقریر کے بعد ایسے الفاظ میں تعریف کرتے کہ جن کی اپنی ایک شان ہوتی۔ پوری تقریر ہی آب زر سے لکھنے کے قابل تھی۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے دو چار رسمی فقرے کہے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ "در مدح پسر خودمی گوید" اگر کسی اور کی تقریر ہوتی تو حضرت شاہ صاحب پورے ملک کی اپنی آئندہ تقریروں میں اس کی تعریف کرتے۔ بلکہ چھوٹی منہ بڑی بات اپنے قیافے کی بات کر رہا ہوں کہ حضرت شاہ صاحب اپنی تقریروں میں اس کے حوالے دے کر مزید اپنے انداز میں تشریح کیا کرتے۔ وہ تقریر ایسی زوردار تھی کہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ میری زندگی کی دو چار چند اہم سنی ہوئی علمی تقریروں میں سے ایک تھی۔ میں اب لکھنے کے وقت خیال کرتا ہوں کہ تحریک بالاکوٹ اور اس کے نامور قائدین و شہداء کے خون کی خوشبو سید زادے کو آ رہی تھی اور امیر المومنین سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید کے علم و عمل اور اخلاص کی برکت اور اپنے مجاہد والد کی توجہ کام کر رہی تھی۔ بعض اہل علم کے قول کے مطابق لیلۃ القدر پورے سال کی راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو ممکن ہے یہ لیلۃ القدر ہی ہو۔ اور روح الامین جبریل علیہ السلام اپنے جلو میں فرشتوں کو لئے سید زادے کی تائید کر رہے ہوں۔ اب نہ اس جہاں میں باپ نہ بیٹا اور مجھے کسی کی خوشامد مطلوب ہے اور نہ اس کی ضرورت۔ اچانک لکھتے ہوئے یہ الفاظ دل و دماغ سے نکل کر نوک قلم سے حوالۂ قرطاس ہو گئے۔

واردات و مشاہدات کے کالم میں میری یہ عادت ہے کہ عام سادہ زبانوں میں کچھ باتیں لکھ دیتا ہوں۔ ویسے یہ بھی خوب بات قلم سے نکل گئی کہ عام سادہ زبان میں، گویا علمی زبان میں بھی لکھ سکتا ہوں۔ ایسا نہیں ہے علم اور اس کے ساتھ عمل ان دونوں میں سے اپنے دامن میں کچھ نہیں ہے۔ اللہ کے نیک بندوں سے محبت ہے۔ وہ محبت قلم کو چلوا دیتی ہے اور میں لشتم پشتم کچھ نہ کچھ لکھ دیتا ہوں اور ویسے بھی ایک رسالہ کے مدیر کو کچھ نہ کچھ لکھنا ہی پڑتا ہے۔ احباب ان ٹیڑھی ترچھی لکیروں کو پڑھ لیتے ہیں۔ شاید کبھی کوئی لکھی ہوئی بات اللہ تعالیٰ کو منظور ہو جائے اور اپنا بیڑا پار ہو جائے...... تو آج کی اس محفل میں ابن امیر شریعت کی یاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اپنی یادداشتیں لکھ رہا ہوں۔ ویسے یہ عجیب بات ہے کہ آج کے مخدوم زادوں کے سبھی عظیم آباء سے نیازمندانہ تعلقات تھے اور یہ میرے لئے فخر کی پونجی ہے کہ سبھی اکابر رحمھم اللہ نے اس حقیر کو اپنی شفقت سے محروم نہ کیا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس گنہگار کو بس اتنی ہی نسبت رہی اور کچھ حاصل نہ کر سکا۔ اور یہ نسبت اگر کسی کام آ جائے تو وما ذلک علي الله بعزیز اور یہ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ اور الحمداللہ، حضرت ابوذر بخاری سے بعض اوقات میں نے شیخ چلی کی طرح کسی منصوبہ کا ذکر کیا تو ہر دفعہ یہ فرمایا کہ دامے درمے سخنے ہر طرح تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن اس منصوبہ کا خاکہ تو ذہن میں ہمیشہ رہا لیکن عملی قدم اٹھانے کا موقعہ نہ مل سکا اور منصوبہ ابھی تک دل و دماغ سے نکلا نہیں تھا۔ کیا عجب کہ زندگی کی کئی ایک آرزوؤں کی طرح یہ بھی عملی شکل اختیار کر لے یا اس کی ابتدا ہی ہو جائے۔ منہ سے نکلی ہوئی بات کوٹھے چڑھ جاتی ہے۔ جب کوئی آثار پیدا ہوں گے اور زندگی نے مہلت دی اور اللہ تعالیٰ نے فضل و کرم کیا تو بات سامنے آ جائے گی۔

میں نے "بیس بڑے مسلمان" کی ترتیب کا آغاز ۱۹۶۲ء کے آخر میں کر دیا تھا اور میاں چنوں سے مکتبہ رشیدیہ کی جانب سے شائع ہونے والے مختلف کتابچوں میں اس کا اشتہار دینا شروع کر دیا تھا۔ جس سے اس کتاب کی شہرت ہونا شروع ہوئی لیکن یہ کتاب اپریل ۱۹۶۷ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے حوالے سے مجھے لوگ جاننے پہچاننے لگے۔ الحمد للہ یہ کتاب مقبول ہوئی۔ ایک غیر معروف اور گمنام شخص اب لاہور آ گیا تھا۔ اور یہاں زیادہ آمد و رفت حضرت سید نفیس رقم مدظلہ کے ہاں رہتی جو ۸۸ء میکلوڈ روڈ "چٹان" بلڈنگ میں اپنا دفتر بنائے ہوئے تھے۔ یہاں آغا شورش کاشمیری اور حضرت سید نفیس رقم مدظلہ کی وجہ سے مختلف حضرات آتے۔ حضرت ابوذر بخاری بھی تشریف لائے ان کا قیام دہلی دروازے کے باہر دفتر مجلس احرار اسلام میں ہوتا۔ ان کی تشریف آوری ہمیشہ ہفتہ عشرہ کے لئے ہوتی اور اگر کبھی دفتر ۸۸ میکلوڈ تشریف لاتے تو گھنٹوں نشست رہتی۔ ان مجالس سے مرحوم کی بے پناہ علمی صلاحیتوں کا مزید علم ہوا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ طویل نشستیں گویا چند منٹوں پر محیط ہیں۔ وقت گزرنے کا پتہ اس وقت چلتا جب سید نفیسی الحسینی مدظلہ کسی کو مخاطب کر کے اپنے مخصوص لہجے میں فرماتے کہ بھئی دیکھو نماز ظہر یا عصر کی اذان میں کتنا وقت رہ گیا۔ حضرت ابوذر بخاری کا دماغ لطائف و ظرائف اور واقعاتی حکایات کا خزانہ تھا۔ کبھی مسکراتے، قہقہہ لگاتے لیکن جب سنجیدہ علمی گفگو فرماتے تو جس موضوع پر بھی گفتگو فرماتے، سیر حاصل تبصرہ فرماتے۔ بات علمی ہوتی یا سیاسی، کسی فن پر ہوتی یا ادب پر، کوئی تشنگی باقی نہ رہتی۔ میدانی دریا کی طرح ہموار گفتگو ہوتی لیکن اگر کبھی سیاسی موضوع چھڑ جاتا تو پھر پہاڑی ندی نالوں کی طرح اتار چڑھاؤ ہوتا۔ ہر کوئی محظوظ ہوتا۔ عربی اور فارسی پر گہرا عبور تھا اور اس پر ابتدائی دو تین کتابیں بھی لکھیں.........(۱)

ایک دفعہ آنجہانی ظفر اللہ خان نے ایک بیان میں کہا کہ "عطاء اللہ شاہ بخاری مر گیا ہے"۔ گویا اب ہم کو زیادہ خطرہ نہیں۔ آغا شورش کاشمیری مرزائیت کے معاملے اور حضرت شاہ صاحب کے بارے میں بہت

---

(۱) مجمع المصادر العربیہ، کان پور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حساس تھے۔ آئندہ "چٹان" کے ٹائیٹل پر مولانا سید ابوذر بخاری کی پورے صفحہ پر تصویر شائع کی اور نیچے لکھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ "سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ ہے" اور واقعہ یہ ہے کہ جب تک مجلس احرار اسلام کے بانیان کی اولاد اور متبعین خصوصاً اور امت مسلمہ عموماً زندہ و بیدار ہے۔ اور مجلس احرار اسلام کی کوکھ سے نکلی ہوئی مجلس تحفظ ختم نبوت موجود ہے۔ مرزائیت کا تعاقب اور محاسبہ جاری رہے گا۔ کیا ہوا کہ مرزائیوں نے اپنی دولت کے بل بوتے پر سیٹلائیٹ کا انتظام کر کے اپنے غلط اور باطل خیالات کو پھیلانے کا انتظام کر رکھا ہے۔ الحمدللہ ختم نبوت کے پروانے کل بھی مفلوک الحال ہونے کے باوجود برطانیہ کے خود کاشتہ پودے (بقول مرزا غلام احمد قادیانی) کو جب کہ برطانوی استعمار کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا مقابلہ کرتے رہے اور اب جب کہ برطانیہ کی حکومت سمٹ سمٹا کر اپنے ملک یا دنیا کے کسی تھوڑے حصہ پر رہ گئی ہے تو یہ لوگ بھی مرغی کے بچوں کی طرح دوڑ کر برطانیہ کی چھتری یا پروں کے نیچے پناہ لئے ہوئے ہیں۔ مرزا تو جب تھا کہ مرزا صاحب کے مدفن قادیان کی طرف رجوع کرتے۔ بہر حال اب پوری دنیا میں ان کا تعاقب ہوگا اور ہو رہا ہے۔ جہاں جہاں وہ جائیں گے، بخاری کے شیدائی و فدائی وہاں پہنچیں گے۔ چند سال پہلے کیمبرج یونیورسٹی میں ابنِ امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری کی سرکردگی میں وہاں کے طلبہ نے جو کارنامہ سر انجام دیا تھا۔(۲) اس کی تفصیل راقم کے ذمہ ہے اور لندن کے "اسلام آباد" میں رہنے والوں کو خوب معلوم ہوگی۔ ان شاء اللہ میں بھی کسی وقت عرض کروں گا کہ "میں بھی حاضر تھا وہاں"

گزارش یہ کرنا مقصود ہے کہ:

ہوا ہے گو تند و تیز، لیکن، چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

بچپن سے ایک شعر پڑھتے سنتے آئے تھے کہ:

اے ذوق کسی ہمدمِ دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

یہ شعر معنوی اعتبار سے اس وقت اپنا مفہوم واضح کرتا ہے جب آپ مدتوں سے کسی بچھڑے ہوئے دوست سے ملیں اور تقریباً اکثر لوگوں کو ایسا موقعہ نصیب ہوتا ہے جب اپنے گاؤں، محلے یا سکول، کالج اور مدرسہ کے دوست سے سالوں بعد اچانک ملنا ہوتا ہے اس وقت فریقین کی مسرت دیدنی ہوتی ہے۔

---

(۲) حضرت سید عطاء المحسن بخاری نے سامعین میں سے کھڑے ہو کر حجازی لحن میں صرف قرآن کریم کی تلاوت کر کے کیمبرج یونیورسٹی میں مرزائیوں کا ایک جلسہ الٹ دیا تھا اور مرزائی سٹیج چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ بالکل اسی طرح ۱۹۱۶ء میں بندے ماترم ہال امرتسر میں مرزا بشیر الدین کے جلسہ میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے سامعین میں سے اٹھ کر مرزا بشیر کو حدیث کی تلبیس کرنے پر ٹوکا اور مرزا سٹیج چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ (مدیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جالندھر خیر المدارس میں چار پانچ طالب علم اکٹھے پڑھتے تھے قیام پاکستان کے بعد ان میں سے ایک بہاولپور سے جامعہ ازہر اور وہاں سے برطانیہ برسوں رہ کر جناب مسعود کھدر پوش (اس وقت کے ناظم اعلیٰ اوقاف) سے مصر میں اور بعد میں برطانیہ میں متعارف ہوئے۔ مسعود صاحب ان صاحب (ڈاکٹر رشید احمد جالندھری حال ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور) سے متاثر ہوئے اور ان کی محکمہ اوقاف میں بطور مشیر تعلیم و مطبوعات محکمہ اوقاف تقرری کر کے ان کو اطلاع دی اور ڈاکٹر صاحب لاہور آ گئے۔ دوسرے تمام احباب مولانا سید عطاء المنعم بخاری، مولانا عبد المنان شاہد، مولانا گلزار احمد مظاہری، مولانا مجاہد الحسینی یہیں پاکستان میں تھے اور ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ رائے ونڈ کے اجتماع میں برادر محترم مولانا مجاہد الحسینی نے مجھے بتایا کہ ڈاکٹر رشید احمد صاحب فلاں محکمہ میں ہیں ان سے ملو۔ ان کا خیال تھا کہ ہمارا باہمی تعارف ہے۔ لیکن یہ تعارف یک طرفہ تھا یعنی میں تو ڈاکٹر صاحب کو جانتا تھا اور رائے پور کی تعلیم کے دوران ان سے ملا بھی تھا جب وہ دارالعلوم دیو بند سے گھر آئے تھے۔ میرے ذہن پر ان کی ذہانت کا نقش مرتسم تھا بہر حال میں محکمہ اوقاف کے دفتر شاہ چراغ بالمقابل ہائیکورٹ ملنے گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے پہلے تو مجھے رسمی پوچھا کہ کیسے آئے؟ لیکن جب میں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں آپ کے گاؤں رائے پور میں پڑھتا رہا ہوں اور قریب کے ایک گاؤں بہری پور سے ہوں، تو بے تکلفی ہو گئی کہ ڈاکٹر صاحب بھی لاہور میں اپنے آپ کو اجنبی محسوس کر رہے تھے اور غالباً سوائے حکیم محمد شریف جگرانوی کے کہ جن کے ساتھ دار العلوم دیو بند پڑھتے رہے تھے کسی اور سے چنداں واقفیت نہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرداً فرداً اپنے تمام احباب کے متعلق پوچھا۔ میں سب سے متعارف تھا۔ رائے پور کے دو تین خاندان میاں چنوں رہتے تھے۔ ان کا ذکر کیا اور یوں مستقل راہ و رسم ہو گئی۔ ایک دفعہ مولانا سید عطاء المنعم لاہور تشریف لائے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا۔ کہ ان سے ملاقات کی شدید خواہش ہے۔ یہ ۱۹۷۰ء، ۷۱ء کی بات ہے لیکن ساتھ یہ کہا کہ ان کو میرا بتلانا نہیں، مولانا، حضرت سید نفیس رقم کے پاس تشریف لائے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ کو مال روڈ گارڈینیا میں چائے پلانا ہے۔ پہلے تو انکار کرتے رہے کہ میں ایسی جگہوں سے چائے نہیں پیتا پھر میرے اصرار پر مان گئے۔ وقت طے ہو گیا۔ میں ان کو ساتھ لے کر "گارڈینیا" گیا جو بعد میں "سلاطین" بنا اور آج کل وہاں کتابوں کی دکان ہے۔ ڈاکٹر صاحب پہلے سے وہاں موجود تھے اٹھ کر ملے۔ میں نے تعارف کرایا کہ یہ دوست برطانیہ سے تشریف لائے ہیں اور آپ سے ملنے کے خواہشمند تھے۔ تو شاہ صاحب نے کہا کہ رازی صاحب ہیں؟ رازی پاکستانی میاں چنوں کے عزیز دوست برطانیہ میں رہتے تھے اور دو تین دفعہ ملتان حضرت امیر شریعتؒ کی زندگی میں حاضری کے لئے آ گئے تھے۔ ایک دفعہ میں بھی ساتھ تھا۔ شاہ صاحب یعنی ابوذر بخاری سے بھی ملاقات ہوئی لہذا شاہ صاحب کا ذہن ادھر گیا۔ ڈاکٹر صاحب کے متعلق انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے خاص انداز اور تکیہ کلام میں کہا کہ حد ہو گئی شاہ صاحب آپ نے مجھے پہچانا نہیں اس پر شاہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو بغور دیکھا اور رشید احمد ہو کہہ کر ملاقات کے لئے اٹھے، معانقہ، مصافحہ ہوا اور وفور جذبات سے دونوں آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے اور شاہ صاحب نے کہا کہ اب میں نے آپ کی کشادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیشانی اور اس پر ہلکے تبسم کو دیکھا تو فوراً جالندھر کی یاد آ گئی۔ بہر حال یہ نشست بڑی طویل رہی اور پھر دوبارہ ملاقات کے وعدہ پر ختم ہوئی۔ کچھ عرصے بعد شاہ صاحب دوبارہ لاہور تشریف لائے تو ڈاکٹر صاحب نے شادمان اپنی قیام گاہ پر پُر تکلف دعوت دی۔ دو ایک دوستوں نے کھانا پکایا اور یہ نشست بھی گھنٹوں پر محیط تھی۔ اور شاہ صاحب نے کچھ دیر آرام بھی کیا...... یہ دونوں کی ملاقات تقریباً ۲۴ سال بعد ہوئی تھی۔ طالب علمانہ زندگی عجیب و غریب اور بہت سہانی ہوتی ہے اور سکول مدرسہ کے دوست ساری عمر یاد رہتے ہیں۔ بہر حال یہ بہت خوبصورت ملاقات تھی اس کے بعد ملتان ان حضرات کی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور ڈاکٹر صاحب ملتان اپنے اپٹک دوسرے ہم جماعت دوست چودھری محمد سلیم جو ہمارے علاقے کے بہت دین دار اے ڈی آئی آف سکولز چودھری عبدالخالق کے لڑکے ہیں ان کے پاس ملتان جا کر ان کو لے کر شاہ صاحب سے ملتے رہے۔ حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ، حضرت مولانا سید حامد میاں بانی جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کے اصرار پر جامعہ مدنیہ اٹھ آئے اور اب مولانا سید ابوذر بخاری جامعہ مدنیہ تشریف لایا کرتے اور وہی گھنٹوں مجلس رہتی۔ اور آغا شورش کاشمیری بھی حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ سے ملنے کبھی کبھار تشریف لاتے۔

اب آخر میں ایک بہت اہم یادداشت قلم بند کر رہا ہوں جو اکثر لوگوں کو یاد ہو گی۔ ۱۹۷۴ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت چلی۔ جس کے نتیجے میں مرزائیوں کو پارلیمنٹ میں خاصے بحث و مباحثے کے بعد غیر مسلم قرار دیا گیا۔ اس فیصلے سے پہلے مجلس عمل کا لاہور بادشاہی مسجد میں جلسہ ہوا جس میں تقریباً تمام دینی جماعتوں کے سربراہوں اور اہم زعماء نے حصہ لیا۔ شاہی مسجد میں اتنا بڑا مذہبی جلسہ میں نے نہیں دیکھا۔ مسجد کے دالان کے آگے بلند سٹیج تھا اور تمام قائدین کے لئے آنے کا راستہ شاہی مسجد کے جنوب مغربی دروازے سے تھا جو برآمدے سے ہو کر دالان میں آتا تھا۔ مجلس عمل کے صدر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ جو ہمارے جانے سے پہلے آ چکے تھے۔ یا پھر ان کے آنے کا ہمیں علم نہ ہوا کہ ہم سٹیج سے بہت دور تالاب کے ساتھ بیٹھے تھے جلسہ کا آغاز کافی دیر سے ہو چکا تھا۔ مختلف حضرات تقریریں کر چکے تھے کہ مولانا سید ابوذر بخاری کی تقریر کا اعلان ہوا۔ سید ابوذر بحیثیت صدر مجلس احرار اسلام، مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے ایک رکن تھے۔ اتنے میں مسجد کے باہر اچھے خاصے گولے چلے یہ آواز بندوق، رائفل کے مشابہ تھی۔ بہت سے لوگوں کو اشتباہ ہوا کہ شاید باہر جنوب مغربی دروازے کے ساتھ گولی چل گئی ہے اور کوئی فساد یا پولیس سے تصادم ہو گیا ہے کہ تحریک ایسے موڑ پر پہنچ گئی تھی کہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ ایسے حالات میں سامعین میں سکون نہیں رہتا اور لوگ گردنیں اٹھا کر یا کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جاتے ہیں اور صورت حال جیسا کہ عرض کیا مولانا سید ابوذر خطبہ کا آغاز کر چکے ہیں۔ اس ہڑبونگ سے وہ خاموش ہو گئے یا شاید بیٹھ گئے ہمیں معلوم نہ ہو سکا پتہ چلا کہ سید ابو الاعلیٰ مودودی آئے ہیں۔ اور ان کی آمد پر اسلامی جمیعت طلبہ نے خیر مقدم یا استقبال کرتے ہوئے گولے چلائے ہیں۔ جب کہ اس سے قبل ایسا نہیں ہوا تھا۔ اگر ہوتا تو صدر مجلس عمل مولانا سید محمد یوسف بنوری کی آمد پر ہوتا...... پھر سکون ہو گیا اور مولانا سید ابوذر بخاری سے انتظامیہ نے کہا کہ آپ تقریر شروع کریں وہ مان نہیں رہے تھے کہ جلسہ میں سب مقررین کی حیثیت بحیثیت نمائندہ جماعت برابر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی اور پھر مولانا ابوذر بخاری تو امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے جانشین تھے کہ جن کی مساعی سے مجلس احرار اسلام کے قیام سے قبل ہی سے مرزائیت کا تعاقب جاری تھا۔ گویا مولانا سید محمد یوسف بنوری صدر مجلس عمل کے بعد اگر کسی کی حیثیت امتیازی تھی تو وہ جانشینِ امیر شریعت کی تھی کہ جن کے والد کو حضرت علامہ انور شاہ محدث کشمیری نے شیرانوالہ انجمن خدام الدین لاہور کے جلسہ میں سیکڑوں علماء کی موجودگی میں مرزائیت کے خلاف مزید نمایاں کام کرنے کے لئے امیر شریعت قرار دے کر پہلے بیعت کی اور پھر سیکڑوں علماء نے۔ مولانا سید محمد یوسف بنوری انہی محدث کشمیری کے جانشین اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے ان دنوں امیر اور اپنی علمی وجاہت کی بناء پر مجلس عمل کے امیر تھے۔ مجلس احرار اسلام کے بانیاں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور قیام پاکستان کے بعد مجلس احرار اسلام کے ساتھ ساتھ مجلس تحفظ ختم نبوت قائم کر کے اس کے پہلے امیر بنائے گئے اور آج اسی کے امیر مولانا سید محمد یوسف بنوری تھے۔ میں یہاں اس بحث میں نہیں پڑوں گا کہ ۱۹۵۳ء کی ختم نبوت کی تحریک میں جماعت اسلامی نے کیا کردار ادا کیا تھا اور مولانا سید مودودی نے انکوائری کمیشن کے سامنے کیا بیان دیا تھا۔ یہ علیحدہ بحث ہے کہ لاہور میں مارشل لاء لگنے کے دوران ایک پمفلٹ لکھنے کی پاداش میں مولانا سید ابوالاعلیٰ کو مارشل لاحکام نے سزائے موت کا حکم سنایا تھا۔ تاہم ذکر آنے پر یہاں مولانا سید ابوذر بخاری ہی کی ایک تحریر نقل کرتا ہوں جو انہوں نے چودھری افضل حق کی تحریر کردہ "تاریخ احرار" کے دوسرے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۶۸ء کے شروع میں طویل مقدمہ کلمات کے ذیل میں لکھی تھی۔

"اس جماعت (جماعۃ اسلامی) نے تحریک ۱۹۵۳ء کے مدوجزر پر موقع پرستانہ نگاہ رکھی، بہ شرط کامیابی ساتھ ہونے کا دعویٰ رکھنے اور بہ صورت ناکامی ......اپنی اختلافی رائے کو دلیلِ فرار بنانے کی دوغلی پالیسی اپنائے رکھی" (تاریخ احرار ص ۱۴)

انکوائری کی یہ تفصیل طویل بھی ہے اور افسوسناک بھی۔ مقصود یہ عرض کرنا ہے کہ اس جلسے کے روح رواں سید ابوذر بخاری کی تقریر اس تاریخی جلسہ میں نہ ہو سکی جو مختصر ہونے کے باوجود تاریخی ہوتی..... جب لوگوں اور نعروں کا شور کم ہوا اور جیسا کہ عرض کیا مولانا سید ابوذر سے کہا گیا اب تقریر فرمائیں لیکن وہ مان نہیں رہے تھے۔ سٹیج پر سربرآوردہ حضرات کے اصرار پر مولانا سید ابوذر بخاری نے دوبارہ تقریر شروع کی تو اب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سٹیج کے قریب پہنچ چکے تھے اس پر پھر سید مودودی، مرشد مودودی کے نعرے شروع ہو گئے۔ سید ابوذر بخاری نے سٹیج پر ہی بیٹھ گئے اور آخر وقت تک بیٹھے رہے۔ اسی شور وغل میں اس کے بعد دو تین مقررین نے تقریریں کیں علامہ احسان الٰہی ظہیر سٹیج سیکرٹری تھے وہ اپنی گرجدار آواز اور پوری کوشش کے باوجود سامعین کو خاموش رہنے پر آمادہ نہ کر سکے۔ اور پھر سید مودودی کی باری آئی اور ان کا نام پکارا گیا۔ آج کے مقرر خصوصی مولانا مفتی محمود کی آمد ابھی باقی تھی۔ نوجوان خون ہر جماعت کے کارکنوں کا ایک جیسا ہوتا ہے اور وہ جذبات سے مشتعل ہو کر ایک جیسی حرکتیں کرتے ہیں۔ جمعیۃ علماء اسلام اور احرار کے کارکن مولانا سید ابوذر کی تقریر کے وقت دیکھ چکے تھے کہ کیا ہوا جیسے اسلامی جمعیت طلبہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارکان نے کیا تھا۔ اس سے سوا مولانا مفتی محمود صاحب کے مداحین نے کیا۔ اب مفتی صاحب کو تو یہ نہیں پتہ تھا کہ اصل راستہ آنے کا کون سا ہے، باہر کھڑے منتظر نوجوان ان کو مسجد کے صدر دروازے سے اندر لے آئے۔ اب درمیان میں سٹیج تک کوئی راستہ تو تھا نہیں۔ لوگوں کے جم غفیر کے درمیان میں سے گزرے تو لوگ کھڑے ہو گئے اور راستہ دینے لگے۔ مولانا مودودی تقریر شروع کر چکے تھے۔ لیکن اس شور و غل میں تقریر کرنا ممکن نہ تھا اور پھر ایسے شخص کے لئے کہ جس نے قبرستان ایسے سناٹے میں تقریریں کی ہوں کہ جماعت کے جلسوں میں کوئی اونچا سانس بھی نہ لیتا تھا اور کھانسی کو بھی روکتا تھا۔ یہاں یہ حالت ہوئی تو مولانا نے تقریر بند کر دی اور اسلامی جمعیت طلبہ کے نوجوان جو اس صورت حال کو پیدا کرنے کا باعث بنے تھے انہوں نے اب اسے اپنے لیڈر کی توہین سمجھا اور مفتی محمود کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہا۔ اس پر مزید شور مچا۔ اب یہ لوگ ہوش و حواس پر قابو نہ رکھ سکے اور بعض شر پسندوں نے جو ایسے واقعات سے فائدہ اٹھاتے ہیں سٹیج سے مفتی محمود کی طرف جوتے پھینکنے شروع کر دیئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی گیا گزرا مسلمان ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ یہ یقیناً کسی خاص گروہ کے آدمی تھے۔ مفتی محمود اب سٹیج کے ساتھ تھے ان کو ہاتھوں سے کھینچ کر سٹیج پر چڑھایا گیا۔ جب شر پسندوں نے دیکھا کہ مفتی صاحب سٹیج پر پہنچ چکے ہیں تو ان شر پسندوں نے آخری راؤنڈ کھیلنا چاہا لیکن اس وقت تک احرار، خاکسار اور جمعیتہ علما۔ اسلام کے رضاکار نوجوانوں نے یکجان ہو کر شر پسند ٹولے کو جنوب [illegible] دروازے تک لے جا کر کچھ پٹائی کی۔ اس دوران عوام میں سے یعنی سامعین سے لوگ مسجد سے نکلنا شروع ہو گئے۔ اس نامناسب رویہ سے لوگ ادھر ادھر ہوئے تو لاؤڈ سپیکر کا نظام بل گیا اور سپیکروں سے آواز آنا بند ہو گئی۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر اور مظفر علی شمسی کی گرجدار آوازوں نے مجمع کو بیٹھنے اور سکون سے جلسہ سننے کی بار بار اپیل کی۔ اس شب آغا شورش کاشمیری نجانے کہاں تھے۔ شاید علیل تھے ورنہ چند منٹ میں سارے ہنگامے پر قابو پا لیتے۔ اب کچھ مائیک کا نظام درست ہوا اور مفتی صاحب کو تقریر کی دعوت دی گئی۔ اس پر پھر شر پسند لوگ جنوب مغربی دروازے سے نعرے لگانے لگے لیکن کچھ نہ ہو سکا اور مفتی صاحب نے اپنے زندگی بھر کے معمول کے خلاف زوردار الفاظ میں تقریر کا آغاز کیا اور کہا کہ یہ کون لوگ ہیں جو مجلس عمل تحفظ نبوت کے جلسہ کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔ میں ان کو متنبہ کرتا ہوں کہ اپنی اوقات میں رہیں۔ ہم تو وقت کے آمروں کے خلاف کہ جن کے پاس ملک کی تمام فورسز (طاقتیں) ہوتی ہیں ان سے نہیں ڈرے، انگریزوں سے ٹکر لی۔ یہ کون لوگ ہیں؟ خبردار ہیں ختم نبوت کے پاکیزہ اور مقدس مقصد کے لئے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کے جوتے اٹھانے کو تیار ہوں لیکن ایسی حرکات سے ہمیں خوفزدہ نہیں کیا جا سکتا اور ہم اپنے موقف سے روگردانی نہیں کر سکتے اور پھر موجود ہزاروں لوگوں سے پوچھا کہ بتاؤ کہ تم میرے ساتھ ہو یا ایسے لوگوں کے ساتھ جو ایسے مقدس کام میں رخنہ ڈال رہے ہیں ہاتھ اٹھاؤ؟۔ سب لوگوں نے ہاتھ اٹھائے اور مفتی صاحب نے اپنی مسئلہ ختم نبوت پر اسمبلی کی کارروائی سنائی اور جلسہ بخیر و خوبی دعا کے ساتھ ختم ہوا۔ مولانا مودودی نے جب شور دیکھا تو وہ اپنی مطبوعہ تقریر تقسیم کر کے سٹیج سے اٹھ کر چلے گئے۔ حالانکہ ان کو آخر تک سٹیج پر رہنا چاہئے تھا تاکہ اپنے معتقدین کو قابو میں رکھتے یہ ان کی زبردست غلطی تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اپنے ورکروں کے شور و شرابے میں چلے گئے اگر حالات بے قابو ہو جاتے تو ان کو کون قابو میں لاتا......

انگریزوں کے زمانہ میں جلسوں میں گڑبڑ ہوتی تو احرار رضاکار کسی کو پتہ بھی نہ لگنے دیتے اور فضاء پر سکون ہو جاتی۔ احرار کے جلسوں میں عام طور پر سرکاری یا تنخواہ دار لوگ ایسا کام کیا کرتے تھے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی آخری عمر میں اپنی جماعت کے ایسے ہی نوجوانوں اور لوگوں سے مایوس سے ہو چلے تھے۔ اس کا ایک مظاہرہ راقم نے اپنی آنکھوں سے ان کے جنازہ کے متعلق تنازعہ اور تدفین پر دیکھا......

مولانا ابوذر بخاری کی یاد میں لکھتے ہوئے انہی کی ایک تقریر کے سلسلے میں یہ ناخوش گوار تفصیل لکھنا پڑی کہ شاید مرزائیوں نے اس کو بڑھا چڑھا کر نہ لکھا ہو جیسا کہ مجھے علم ہوا ہے کہ موجودہ خلیفہ نے ایک تقریر میں جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے متعلق عجیب و غریب معلومات فراہم کر کے ان کو مرزائیت کی مخالفت کا عتاب قرار دیا ہے۔

سردار احمد خاں پتافی نے "تنظیم اہل سنت" قائم کر کے ردِ رفض میں بڑا کام کیا تھا اور حضرت امیر شریعت سے ہر سال اوسطاً ایک ماہ (اگر آزاد ہوں) ڈیرہ غازی خان، مظفر گڑھ کے لیے لے رکھا تھا۔ سید ابوذر بخاری نے اس کو آگے بڑھاتے ہوئے۔ یہ تحریک چلائی کہ اپنی اولاد کے نام صحابہ کرامؓ، صحابیات اور اہل بیت کرام کے نام پر رکھے جائیں۔ چنانچہ اپنے بیٹوں کا نام محمد معاویہ اور محمد مغیرہ رکھا۔ اور اس کو بطور تحریک پورے ملک میں چلایا اور پھیلایا...... "مستقبل" اور "مزدور" نامی پرچہ و اخبار تو شروع میں نکالے لیکن اب ۲۵ سال سے پندرہ روزہ "الاحرار" نکال رہے تھے۔ جو مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ آج کل اس کا اہتمام آپ کے بیٹے سید محمد معاویہ بخاری سلمہ اللہ کر رہے ہیں۔ آپ کے قلم سے کان پارسی، مجمع المصادر (عربی) احکام عید الاضحیٰ و عید الفطر، مفکر احرار چودھری افضل حق، مقدمات امیر شریعت، شیخ حسام الدین، تکلیں جو اپنے اپنے موضوع پر بہت عمدہ ہیں۔ اس طرح حضرت امیر شریعت کا کلام بنام "سواطع الالہام" شائع کیا جس کے شروع میں طویل مقدمہ لکھا۔ ان کتب کو ملا کر پچاس کے قریب مختلف کتب و رسائل مختلف اوقات میں شائع کئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ۱۹۶۱ء میں انہوں نے یوم معاویہ منانے کی تحریک شروع کی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ اس یوم پر پابندی لگی تو حضرت مولانا محمد علی جالندھری بہت متفکر ہوئے کہ پاکستان میں کاتب الوحی، خال المسلمین اور عظیم المرتبت صحابی، ایسے صحابی کہ جن کے ہاتھ پر حضرات حسنین رضی اللہ عنہم نے بیعت کی ان کا یوم منانا ممنوع ہے۔ یہ میری حضرت جالندھری سے خود سنی ہوئی بات ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ضلع ملتان کی آخری حد پر جلسہ رکھا جائے۔ پورا اہتمام کر لیا جائے اور اگر پابندی لگے تو وہی جلسہ ضلع منٹگمری (حال ساہیوال) کی حدود میں کر لیا جائے۔ سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ نے ایک دفعہ جلسہ رکھا تو حکومت نے گرفتار کر لیا اور بھرے پُرے اسلامی ملک میں کسی نے ضمانت نہ دی لیکن الحمدللہ (ملتان کے ایک قدیم احرار کارکن ملک عطاء اللہ جو اس وقت کیمونسٹ پارٹی میں تھے نے ضمانت دی) ان کی مساعی بار آور ہوئیں۔ یہاں ضمناً عرض کرتا چلوں کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی مرحوم نے حضرت معاویہ رضی

© rasailojaraid.com